حصول آزادی کا طریقہ

پچھلے دونوں ابواب پر تبصرہ کرنے سے پہلے میں ناظرین کو ان تنقیحات کی طرف دوبارہ توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں جو میں نے اس سلسلہ کے تمہیدی مباحث میں قائم کی تھیں۔ ان تنقیحات میں سے اولین تنقیح یہ تھی کہ :

”ہمیں کسی جنگ آزادی میں شریک ہونے سے پہلے یہ دریافت کرنا چاہیے کہ آزادی حاصل کرنے کیلیے طریقہ کونسا اختیار کیا جارہا ہے۔ اگر تحقیق سے معلوم ہو کہ حصول آزادی کا وہ طریقہ اختیار کیا جارہا ہے جو ہماری تہذیب اور ہمارے نظام اجتماعی کے اصولوں سے متصادم ہوتا ہو، تو ہم اس کے ساتھ تعاون نہیں کر سکتے“۔

اس تنقیح کو پیش نظر رکھ کر دیکھیے کہ کانگریس کے مسلم اور غیر مسلم لیڈروں اور کارکنوں کی جو تحریریں پچھلے دو ابواب میں نقل کی گئی ہیں ان سے حصول آزادی کے کس راستے کا نشان ملتا ہے۔

ان کے نزدیک ہندوستان کو آزاد کرانے کے لیے ضروری ہے کہ اس ملک کی تمام قومیتوں اور قومی امتیازات کو مٹا کر پوری آبادی کو ایک قوم بنا دیا جائے۔

اس غرض کے لیے وہ سب سے پہلے اسلامی قومیت پر حملہ کرتے ہیں کیونکہ جب تک مسلمانوں کے ذہن میں یہ خیال موجود ہے کہ پیروان اسلام ایک قوم ہیں اور منکرین اسلام دوسری قوم، اس وقت تک آٹھ کروڑ کی اس عظیم الشان آبادی کا ہندوستانی قومیت میں تحلیل ہو جانا محال ہے۔ اسی لیے تمام قوم پرست یک زبان ہو کر کہتے ہیں کہ ”مسلمان“ کسی قوم کا نام نہیں ہے، اور اسی لیے انکی

تعلیم یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمان اپنے آپ کو "مسلم" کہنے کے بجائے "ہندی" کہیں۔

ان کا دوسرا حملہ اسلامی تہذیب و تمدن پر ہے۔ ہندوستان کی آبادی ایک قوم نہیں بن سکتی جب تک کہ سب ایک تہذیب اور ایک تمدن نہ اختیار کرلیں۔ عقائد، جذبات و احساسات، لباس، طرزِ زندگی، زبان، ادب، اور قوانین معاشرت و تمدن کے لحاظ سے جب تک مسلمانوں میں یکجہتی باقی ہے اس وقت تک بہرحال وہ اپنے آپ کو ایک قوم ہی سمجھتے رہینگے، اور جب تک ان امور میں وہ ہندوستان کے دوسرے باشندوں سے مختلف ہیں، اس وقت تک بہرحال ان کا قومی تشخص دوسروں سے الگ ہی رہیگا۔ اس علحدگی کو مٹانے کیلیے مسلمانوں میں پورے زور شور کے ساتھ یہ تبلیغ کی جارہی ہے کہ ان کی نہ کوئی خاص تہذیب ہے اور نہ کوئی مخصوص تمدن "زمانے کے شدید انقلاب انگیز تقاضوں" سے جو تہذیب پیدا ہورہی ہے، اور ہندوستان کے دوسرے باشندوں میں جو تمدن نشو ونما پارہا ہے، اسے انکو بے تکلف قبول کرنا چاہیے تاکہ وہ سب کے ساتھ ہم رنگ ہوجائیں۔

ان کا تیسرا حملہ اسلام کے نظام اجتماعی پر ہے۔ مسلمانوں میں اشتراکیت کی تبلیغ جو کی جارہی ہے اس کا مقصد دراصل یہی ہے کہ صرف اسی ذریعہ سے اسلامی سوسائیٹی کے نظام کو پارہ پارہ کیا جاسکتا ہے، اور مسلمانوں کی جماعت کے افراد کو ایک دوسرے سے الگ کرکے فرداً فرداً غیر مسلم آبادی میں جذب کرنے کے لیے اسکے سوا کوئی دوسری تدبیر نہیں ہے۔ کانگریس کے متعلق یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوچکی ہے کہ اس کا نصب العین اشتراکی نہیں ہے۔ نہ وہ سرمایہ داروں سے بگاڑنا چاہتی ہے، نہ سرمایہ داری نظام کو ختم کرنا چاہتی ہے، نہ اُس سماجی (تمدنی) انقلاب کی حامی ہے جس کا ذکر جواہرلال اور سوباش چندر بوس باربار کیا کرتے ہیں۔ ہری پورہ کانگریس میں جواہرلال کے سامنے اور سوباش چندر بوس کی صدارت

میں سردار ولبھ بھائی پٹیل نے سوشلسٹ جماعت کو بری طرح ڈانٹا تھا اور یہ الفاظ کہے تھے کہ:

"تم کانگریس میں دستِ راست اور دستِ چپ کی جماعتیں پیدا کرنے کے ذمہ دار ہو حالانکہ کانگریس ہمیشہ سے ایک وحدت رہی ہے ..... ہم برابر دو سال سے تمہارے وجود کو برداشت کر رہے ہیں، مگر وہ وقت آرہا ہے جب ہم تمہیں برداشت نہ کر سکینگے"

(ٹائمز آف انڈیا۔ مورخہ ۲۲ فروری ۳۸ء)

اس زجر و توبیخ پر ہندوستانی اشتراکیت کے ان دونوں اقنوموں میں سے ایک نے بھی دم نہ مارا - کانپور، احمد آباد اور دوسرے مقامات پر مزدوروں کا سرخود کانگریسی وزارتیں ہی کچلتی رہی ہیں - مدراس اور صوبہ سرحد اور دوسرے صوبوں میں جہاں کہیں اشتراکیوں نے چادر سے پاؤں نکالا، وہاں کانگریسی حکومتوں ہی نے ان کی سرکوبی کی ہے - ابھی چند ہی روز ہوئے ہیں کہ حکومت مدراس نے اشتراکیت کی تبلیغ کے خلاف ایک کمیونک شائع کیا ہے جس میں وہ لکھتی ہے کہ:

"چند پمفلٹ جو ہندوستان کی کمیونسٹ پارٹی کی طرف سے شائع کیے جا رہے ہیں، حال میں حکومت کے ہاتھ آئے ہیں - ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پارٹی حد سے گذرتی جارہی ہے اور اس ملک میں ابتری پھیلانا چاہتی ہے، اسلیے حکومت اپنا فرض سمجھتی ہے کہ پبلک کو ان سے متنبہ کر دے تاکہ عام باشندگان ملک نادانستگی میں ایسی تحریک سے متأثر نہ ہو جائیں جس کا فلسفہ اور طریق کار بالکلیہ اس ملک کی تہذیب اور روایات کے خلاف ہے"

اس کے بعد اس کمیونک میں اشتراکی پمفلٹوں کا خلاصہ دیا گیا ہے جس کے یہ الفاظ خاص طور پر غور طلب ہیں:-

"محنت کش طبقوں کی انقلابی فوج، یعنی ہندوستان کی کمیونسٹ پارٹی اس ملک میں طبقہ

وارانہ جنگ برپا کریگی اور قومی انقلابی ہڑتال کا اعلان کریگی۔ کاریگر اپنے اوزار رکھ دینگے۔ دماغی کام کرنے والے دفتروں سے نکل آئینگے۔ طلبہ مدرسوں سے سڑکوں پر آجائینگے۔ کسان مالگذاری اور لگان دینے سے انکار کر دینگے۔ ریلیں کھڑی ہو جائینگی۔ کارخانے اور ریل اور بجلی گھر بند ہو جائینگے......" (ملاحظہ ہو اخبار ہریجن۔ مورخہ ۲۰ اگست ۳۸ء)

یہ ٹھیک وہی خیالات ہیں جو کانگریس سکرٹریٹ کے دفتر سے منظر رضوی صاحب شائع کر چکے ہیں۔ مگر یہ عجیب بات ہے کہ جب یہ خیالات مسلمانوں میں پھیلائے جاتے ہیں تو ان کو جائز رکھا جاتا ہے، اور جب حقیقت میں ملک کے اندر اشتراکی انقلاب برپا کرنے کیلیے ان کی اشاعت کی جاتی ہے تو کانگریسی حکومت ان کو ہندوستان کی تہذیب اور روایات کے منافی قرار دیتی ہے اور ان کے خلاف تنبیہی کیمونک نشر کرنا ضروری سمجھتی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اشتراکیت فی الواقع کانگریس کی سرکاری پالیسی نہیں ہے، بلکہ خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں میں اس مسلک کو صرف اس غرض سے پھیلایا جا رہا ہے کہ اسلامی سوسائیٹی کو درہم برہم کرنے کی اس کے سوا کوئی تدبیر نہیں۔ حال میں بنگال کے کانگریسی مسلمانوں کا ایک اجتماع بابو سوباش چندر بوس کے زیر صدارت منعقد ہوا تھا۔ زیر بحث یہ سوال تھا کہ عامۂ مسلمین میں کانگریس کے خیالات اور اصول کامیابی کے ساتھ کس طرح پھیلائے جا سکتے ہیں، اور جو مشکلات اس راہ میں حائل ہیں، ان کا حل کیا ہے۔ طویل بحث و تمحیص کے بعد جو بات بالاتفاق طے ہوئی وہ یہ تھی کہ :

"مسلمانوں میں کانگریس کو مقبول بنانے کیلیے ایک معاشی پروگرام کو پیش کرنا، ناگزیر ہے اور پروگرام ایسا ہونا چاہیے جو محنت پیشہ عوام کو اپیل کر سکے۔" (نیشنل کال۔ مورخہ ۱۴ اگست ۳۸ء)

"معاشی پروگرام" کے لفظ کو خاص طور پر نوٹ کیجیے۔ اس چھوٹے سے مرکب لفظ میں وہ تمام معانی بھرے ہوئے ہیں جنکی تشریح آپ پنڈت جواہر لال نہرو اور منظر رضوی اور کامریڈ احمد دین صاحبان کی زبانوں سے

سُن چکے ہیں۔ یہ لوگ خوب جانتے ہیں کہ عام مسلمان خواہ کتنے ہی جاہل ہوں، مگر پھر بھی انہیں اسلام سے گہری محبت و عقیدت ہے، اور کوئی شخص اپنی جان کو خطرے میں ڈالے بغیر ان سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ تم اسلام چھوڑ دو۔ اسلیے ان میں علانیہ الحاد و بے دینی کی تبلیغ کرنا کسی طرح ممکن نہیں۔ البتہ اگر اُن کے سامنے "روٹی" پیش کی جائے، اور اس میں بے دینی کو لپیٹ کر رکھ دیا جائے تو یہ بھوک کے مارے ہوئے غریب لوگ لپک کر اسے لے لینگے اور بے تکلف حلق کے نیچے اتار جائینگے۔ ادھر سے مطمئن ہو جانے کے بعد پھر وہ ہر زہر کو خوشی سے ہضم کر سکتے ہیں۔

یہی کچھ سمجھ کر یہ لوگ خستہ حال مسلمانوں کے دلوں پر قبضہ کرنے کیلیے پیٹ کی طرف سے راستہ پیدا کر رہے ہیں جو بھوکے آدمی کے جسم کا سب سے زیادہ نازک حصہ ہوتا ہے۔ یہ ان سے کہتے ہیں کہ آؤ ہم وہ طریقہ بتائیں "جس سے امیری اور غریبی مرتی ہے اور آسودہ حالی آتی ہے"۔ پھر جب یہ بیچارا بھوکا مسلمان دو روٹیوں کی امید پر انکی طرف دوڑتا ہے تو یہ اسے خدا پرستی کے بجائے شکم پرستی کے مذہب کی تلقین کرتے ہیں، اور اس سے کہتے ہیں کہ "غریب اور مفلس کا کوئی مذہب اور کوئی تمدن نہیں۔ اس کا سب سے بڑا مذہب روٹی کا ایک ٹکڑا ہے۔ اسکا سب سے بڑا تمدن ایک پھٹا پرانا کرتہ ہے۔ اسکا سب سے بڑا ایمان اس موجودہ افلاس اور نکبت سے چھٹکارا پا لینا ہے"۔ مذہب اشتراکیت کا یہ ابتدائی سبق جس آن اس بیچارے جاہل مسلمان کو دیا جاتا ہے، اسی آن اسے یہ پٹی بھی پڑھائی جاتی ہے کہ "مذہب اور عقائد کو ان باتوں سے کیا خطرہ؟ کیا تعلق؟ مذہب تو ہمیشہ، اگر اس میں اخلاقی اور روحانی طاقت رہی ہے، زندہ تابندہ اور پایندہ ہی رہا ہے"۔ اور پھر مزید ضمانت کے طور پر اس سے یہ بھی کہہ دیا جاتا ہے کہ بھائی "مذہب کی سب سے بڑی فکر تو فقیہوں اور محدثوں ہی کو ہو سکتی ہے۔ سو دیکھ لو کہ یہ فقیہ اور محدث اور علماء ہمارے ساتھ ہیں"۔

روٹی کو دین اور روٹی ہی کو ایمان قرار دینے کے بعد یہ آگے بڑھتے ہیں اور ان پڑھ مفلس

مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ دیکھو میاں! تمہارے اصلی بھائی وہ غیر مسلم عوام ہیں جو تمہاری ہی طرح بھوک اور افلاس میں مبتلا ہیں۔ تمہیں جو کچھ ملیگا انہی کے ساتھ مل کر جدوجہد کرنے سے ملیگا۔ اور تمہارے اصلی دشمن وہ مسلمان ہیں جو کسی زمین یا مکان یا کارخانے کے مالک ہیں یا جن کے پاس تم سے زیادہ وسائل معیشت موجود ہیں۔ تمہیں جو کچھ مل سکتا ہے، انہی سے لڑکر مل سکتا ہے۔ پس آؤ اپنے غیر مسلم بھائیوں کے ساتھ مل کر اپنے ان مسلمان دشمنوں سے لڑو۔

اس تبلیغ کا نتیجہ کیا ہوگا؟ اسکا پہلا نتیجہ یہ ہوگا کہ جوں جوں یہ خیالات عام مسلمانوں کے دلوں میں گھر کرینگے، اسلامی سوسائیٹی پارہ پارہ ہوتی چلی جائیگی۔ اسلام میں سوسائیٹی کا نظام دین کی وحدت پر قائم ہے۔ تمام وہ لوگ جو توحید اور رسالتِ محمدیؐ کے قائل ہیں، ایک ہی ہیئت اجتماعی میں شامل ہو جاتے ہیں خواہ ان میں سے ایک عثمانِ غنیؓ کی طرح سرمایہ دار ہو اور دوسرا ابوذر غفاریؓ کی طرح قلاش۔ (رضی اللہ عنہما)۔ اسی دینی وحدت کی بنا پر ان میں نماز کی جماعت سے لیکر شادی بیاہ تک ہر قسم کے معاشرتی اور تمدنی تعلقات قائم ہوتے ہیں، اور انہی تعلقات سے یہ سب مل کر ایک سوسائیٹی بناتے ہیں۔ اس کے برعکس اشتراکی تبلیغ ان کو معاشی حیثیت سے الگ الگ طبقوں میں تقسیم کرتی ہے، اور ان کو یہ سکھاتی ہے کہ ایک معاشی طبقہ کا مسلمان دوسرے معاشی طبقہ کے مسلمان سے لڑے اور اس کو اپنا دشمن سمجھے۔ ظاہر ہے کہ اسکے بعد یہ ایک سوسائیٹی کے ممبر نہیں رہ سکتے۔ طبقہ وارانہ جنگ ان کے درمیان صرف معاشرتی تعلقات ہی کو منقطع نہ کردیگی بلکہ خالص دینی حرکت و عمل میں بھی ان کا آپس میں ملنا غیر ممکن ہو جائیگا۔ یہ کسی طرح ممکن ہی نہیں کہ جنکے درمیان روٹی کی جنگ چھڑ گئی ہو وہ ایک دوسرے کیساتھ مسجدوں میں جمع ہوں، یا وہ مالدار مسلمان اپنے اس غریب مسلمان بھائی کو زکوٰۃ دے جسکے متعلق اسے یقین ہے کہ وہ اسکا گھر لوٹنے کی فکر میں لگا ہوا ہے۔ اسیطرح یہ بھی ناممکن ہے کہ جو لوگ معاشی اغراض کیلئے ایکدوسرے کے دشمن بن چکے ہوں اور جنکے دلوں میں ایکدوسرے کے خلاف بغض و حسد کی آگ بھڑک چکی ہو وہ ایک دوسرے کو اپنا بھائی سمجھیں، اور انکے

درمیان انما المومنون اخوۃ کا رشتہ قائم رہ جائے۔

اس کا دوسرا نتیجہ یہ ہوگا کہ مسلمانوں کے عوام مذہب سے قطعی بیگانہ ہوتے چلے جائینگے۔ معاشی طبقات کی جنگ عامۂ مسلمین کو صرف بڑے تعلقہ داروں اور جاگیرداروں اور لکھ پتیوں ہی سے الگ نہ کریگی، بلکہ متوسط طبقہ کے ان تمام مسلمانوں سے کاٹ دیگی جو نسبتہً خوشحال ہیں۔ منظر رضوی صاحب کے اپنے اندازے کے مطابق متوسط طبقہ کے مسلمان تقریباً ایک کروڑ ہیں اور عام مفلس مسلمان سات کروڑ۔ طبقہ واری جنگ کے معنی ان ایک کروڑ مسلمانوں سے سات کروڑ مسلمانوں کے برسرپیکار ہوجانے کے ہیں۔ اب یہ ظاہر ہے کہ اپنے دین کا علم، اپنی تہذیب کا شعور، احکام شرعیہ کی واقفیت، جو کچھ بھی ہے، اسی تعلیم یافتہ متوسط طبقہ ہی میں پائی جاتی ہے۔ یہی طبقہ اس ملک میں اسلامی تہذیب کو کسی نہ کسی حد تک سنبھالے ہوئے ہے۔ عوام انہی سے دین سیکھتے ہیں، انہی سے احکام معلوم کرتے ہیں، اور انہی کے اثر سے تھوڑے یا بہت اسلامی نظام تہذیب و تمدن کی گرفت میں رہتے ہیں۔ جب طبقہ واری جنگ کی بدولت سات کروڑ عام مسلمان ان ایک کروڑ متوسط طبقہ کے مسلمانوں سے کٹ کر الگ ہوجائینگے تو وہ اسلام سے بالکل بیگانہ ہوکر رہ جائینگے۔ خود ان کے پاس کوئی علم نہ ہوگا۔ اور جب متوسط طبقہ کے لوگ ان کو دین کے احکام سنائینگے تو اشتراکیت کا مبلغ فوراً پکار کر ان سے کہیگا کہ ہوشیار! پھر وہی مذہب کی افیون تمہیں کھلائی جارہی ہے، اور پھر اسی "منظّم مذہب" کے پھندے میں تم کو پھانسا جارہا ہے جو "اندھے یقین اور ترقی دشمنی کا، بے دلیل عقیدت اور تعصب کا، توہم پرستی اور لوگوں سے بے جا فائدہ اٹھانیکا قائم شدہ حقوق اور مستقل اغراض رکھنے والوں کا حمایتی ہے۔"

اس کا آخری اور فیصلہ کن نتیجہ یہ ہوگا کہ عامۂ مسلمین جب اسلامی قومیت کے تخیل سے خالی الذہن ہوکر فرد فرد بن جائینگے، اور جب وہ اسلامی تہذیب و تمدن کو ایک لفظِ بے معنی سمجھ کر

اس غیر اسلامی تہذیب و تمدن کو قبول کرتے چلے جائینگے جو "زمانے کے شدید انقلاب انگیز تقاضوں" سے پیدا ہو رہا ہے، اور جب تعلیم یافتہ متوسط طبقہ کے مسلمانوں سے کٹ کر وہ اپنے معاشی طبقہ کے غیر مسلموں میں جا ملینگے، تو خود بخود انکی شدھی ہو جائیگی اور وہ آہستہ آہستہ غیر اسلامی قومیت میں اس طرح جذب ہو جائینگے جیسے نمک کی ڈلی پانی میں گھل گھل کر آخر کار غائب ہو جاتی ہے۔ رہے متوسط طبقہ کے مٹھی بھر مسلمان جو اسلام کے خلاف کسی سماجی اور معاشی نظام کو قبول کرنے سے انکار کرینگے تو ان کے حق میں پنڈت جواہر لال نے پہلے ہی فیصلہ کر دیا ہے کہ "جو سیاسی یا تمدنی ادارے اس تبدیلی کی راہ میں حائل ہوں انہیں مٹا دینا چاہیے" اور یہ کہ "اگر اکثریت نظام تمدن کو بدلنے کی خواہشمند ہو تو ضروری نہیں کہ اقلیت کو اس پر راضی کرنے کی کوشش کی جائے بلکہ اس پر مؤثر دباؤ ڈالنا چاہیے اور جبر و تشدد سے کام لینا چاہیے"، اور یہ کہ "جمہوری حکومت کے معنی ہی یہ ہیں کہ اکثریت، اقلیت کو ڈرا کر اور دھمکا کر اپنے قابو میں رکھے"۔

یہ ہے وہ راستہ جو آزادی حاصل کرنے کیلیے قوم پرستوں نے تجویز کیا ہے اور جس پر وہ عملاً چل رہے ہیں۔ ان کے نزدیک آزادی حاصل نہیں ہو سکتی جب تک کہ ملک کی پوری آبادی کو ایک قوم نہ بنا دیا جائے، اور ملک کی پوری آبادی کو ایک قوم نہیں بنایا جا سکتا جب تک کہ مسلمان قوم کا وجود کلیتہً ہندوستانی قومیت میں تحلیل نہ ہو جائے۔ لامحالہ اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ حصول آزادی کے اس طریقہ کو اختیار کرنے سے مسلمان قوم پہلے ختم ہو گی اور آزادی اسکے بعد حاصل ہو گی۔ اب میں علمائے دین اور مفتیان امت سے اور ہر اس مسلمان سے جو اسلام اور قوم پرستی کا بیک وقت دم بھرتا ہے، دریافت کرتا ہوں کہ کیا اسلام اور یہ قوم پرستی صریحاً ایک دوسرے کی ضد نہیں ہیں؟ اور کیا اس طریقہ سے آزادی حاصل کرنا قرآن، حدیث،

عقل غرض کسی چیز کی رو سے بھی مسلمانوں کا فرض ہے بلکہ فرض کیا معنی، میں پوچھتا ہوں کہ آزادی کیلیے قومی خودکشی کا یہ طریقہ اختیار کرنا کسی مسلمان کے لیے جائز بھی ہے؟ اور کیا اس طریقہ سے آزادی کی جنگ لڑنے والوں کیساتھ موالات کرنا صریح تعلیم قرآنی کے خلاف نہیں ہے؟

میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں اور اب پھر کہتا ہوں کہ یہ تحریک قطعی طور پر "شدھی" کی تحریک ہے اس میں اور شردھانند والی شدھی میں حقیقت اور نتیجہ کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں۔ مسلمان جب اسلام سے منحرف اور جماعت اسلامی سے خارج ہو گیا تو خواہ وہ ہندو مت میں جائے یا بے مت ہو جائے، دونوں صورتیں یکساں ہیں۔ البتہ دونوں شدھیوں میں فرق صرف یہ ہے کہ ایک کھلی ہوئی شدھی تھی، اور دوسری دام ہمرنگ زمین کا حکم رکھتی ہے۔ اُس کے ساتھ کوئی مسلمان تعاون کا نام بھی نہ لے سکتا تھا، اور اِسکی فوج میں فقیہ اور محدث اور مفسر تک گرم عمل نظر آرہے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ تحریک اپنی پیشرو تحریک سے ہزار درجہ زیادہ خطرناک ہے۔

پھر جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں، اس طریقہ سے جو آزادی حاصل ہو گی وہ ان آٹھ کروڑ یا سات کروڑ جسموں کیلیے تو آزادی ہو سکتی ہے جو مسلمانوں کی نسل سے پیدا ہوئے ہیں، مگر اُس قوم کیلیے آزادی نہیں ہو سکتی جو "مسلمان" ہے۔ مسلمانوں کیلیے مسلمان ہونے کی حیثیت سے وہ آزادی نہ ہو گی بلکہ انکی قومیت، انکی تہذیب اور ان کے نظام اجتماعی کی کامل بربادی اور اس کام کی تکمیل ہو گی جسکو انگریزی امپیریلزم نے ڈیڑھ سو برس پہلے شروع کیا تھا۔ حقیقت میں یہ ایک ایسا حربہ ہے جو انگریزی سلطنت سے پہلے اسلام پر حملہ کرتا ہے اور اُس سے پہلے اس کو ختم کر دینا چاہتا ہے۔ میں تصور نہیں کر سکتا کہ کوئی صاحب عقل مسلمان جو مسلمان رہنا چاہتا ہو اس حربے کو خود اپنے دین اور اپنی قوم پر چلانے میں کس طرح حصہ لے سکتا ہے۔

طرفہ ماجرا یہ ہے کہ وہی جواہر لال اور وہی ان کے قوم پرست ساتھی جنہوں نے حصول

آزادی کے اس طریقہ کو کھلم کھلا اختیار کیا ہے، ہم مسلمانوں کو آزادی کی مخالفت اور سامراج پرستی کا طعنہ بھی دے رہے ہیں کیونکہ ہم اپنی قبر کھودنے میں ان کا ہاتھ بٹانے سے انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ درحقیقت آزادی کے دشمن اور سامراج پرستی کے مجرم وہ خود ہیں۔ انہوں نے خود ہی آزادی حاصل کرنے اور سامراج سے لڑنے کا وہ طریقہ اختیار کیا ہے جسکو ہندوستان کی ⅓ آبادی کسی طرح قبول کر ہی نہیں سکتی۔ اس غلط اور احمقانہ طریقہ سے وہ خود ملک کی آزادی کو دور پھینک رہے ہیں، اور سامراج کی مدد کر رہے ہیں، اور پھر طعنہ ہم کو دیتے ہیں کہ تم آزادی کی جنگ سے الگ رہ کر برطانوی سامراج کو مدد دے رہے ہو! اگر ان کے پاس عقل ہے تو انہیں سمجھنا چاہیے کہ کوئی جماعت اپنے جماعتی وجود کو فنا کرنے کیلیے آزادی نہیں چاہا کرتی اور نہیں چاہ سکتی۔ آزادی کی ضرورت قومی زندگی کیلیے ہوتی ہے نہ کہ قومی موت کیلیے، لہذا آزادی کی خاطر ہر چیز قربان کی جاسکتی ہے مگر قومی زندگی قربان نہیں کی جاسکتی۔ تم جب کسی قوم کے سامنے آزادی کا وہ راستہ پیش کرتے ہو جس میں اسکی قومیت کی موت ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ تم خود ہی اسکو مجبور کر رہے ہو کہ وہ تمہاری تحریک آزادی سے لڑے۔ اس کا یہ لڑنا عین مقتضائے فطرت ہے۔ خواہ دنیا کی کوئی قوم بھی ہو، ایسی حالت میں بہرحال لڑیگی، اور اگر اس لڑنے کا یہ نتیجہ ہو کہ بیرونی اقتدار کو اس سے فائدہ پہنچے تو اسکی کچھ پروا نہ کریگی، اسلیے کہ بیرونی اقتدار کا نقصان بھی زیادہ سے زیادہ وہی ہو سکتا ہے جو اس نام نہاد تحریک آزادی کا ہے، یعنی اسکی قومیت کی موت۔ پھر ایک موت اور دوسری موت میں آخر وجہ ترجیح کیا ہے؟